© rasailojaraid.com

الجزائر میں علمی مجلس کے صدر رہے۔ دُنیا کے کئی ممالک کا دورہ کیا اور پانچ درجن تصانیف یادگار چھوڑیں۔

محمد ظہیر الدین بھٹی نے شیخ کی خودنوشت سوانحِ حیات کا اردو ترجمہ پیش کیا ہے۔ ابتدا میں شیخ کی خدمات اور فکروفن پر بعض نام ور عرب تحریکی شخصیات کے مضامین بھی شامل ہیں۔ مترجم نے شیخ کی ذات اور دعوتی زندگی پر خود بھی ایک مختصر تعارفی مضمون سپردِ قلم کیا ہے۔

احیاے دین کی مبارک جدوجہد دنیا کے جس حصے میں بھی جاری و ساری ہو، اُس کے متعلقین بھی اور اُس کے قائدین بھی، اِس چیز کے مستحق ہیں کہ اُن کی ذاتی زندگی اور اجتماعی جدوجہد کو وسیع پیمانے پر نشر کیا جائے تاکہ نشاتِ ثانیہ کے علم بردار ایک دوسرے سے توانائی حاصل کرسکیں اور ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھا سکیں۔ محمد ظہیر الدین صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں کہ عالم عرب اور مسلم دنیا کے حوالے سے ان کا قلم رواں ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے نہ صرف شیخ کی ذاتی زندگی کے حوادث و حاصلات کا پتا چلتا ہے بلکہ اخوان المسلمون میں شرکت کے بعد جو تجربات دعوتی اور سیاسی جدوجہد کے میدان میں ہوئے اُن کا بھی کہیں اجمالی اور کہیں تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ شیخ نے ۱۹۵۶ء میں اخوان سے علیحدگی کے باوجود اپنی جدوجہد تمام عمر جاری رکھی۔ حکومت نے انھیں اخوان کے خلاف استعمال کرنا چاہا۔ انھوں نے جیل جانا قبول کرلیا لیکن اخوان کے خلاف الزام تراشی اور بیان بازی سے احتراز کیا۔ سوانح نگاری ایک دلچسپ فن ہے اور سوانح حیات دل چسپی کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں، تاہم اس کتاب میں کہیں کہیں واقعات کی تکرار محسوس ہوتی ہے۔ اسلامی تحریک نشات، عالم عرب، اور اخوان المسلمون کے موضوعات پر یہ ایک مفید کتاب ہے۔ (محمد ایوب منیر)

کشمیر اُداس ہے، محمود ہاشمی۔ ناشر: الفیصل، غزنی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۳۶۶۔ قیمت: ۲۲۵ روپے۔

یہ مصنف ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو سری نگر کے ایک کالج میں بطور لیکچرر کام کر رہے تھے۔ شیخ عبداللہ کو اقتدار ملا تو نیشنل کانفرنس کے ''ہوم گارڈز'' میں بطور کمانڈر ان کا تقرر ہوگیا اور اس حیثیت میں وہ جموں اور کشمیر کے مختلف علاقوں میں اپنے فرائض انجام دینے لگے۔ لیکن حالات سے بددل یا مایوس ہوکر بہت جلد (جنوری ۱۹۴۸ء میں) وہ اپنی ''ہوم گارڈز کی کمانڈری والی بندوق سمیت'' آزاد کشمیر چلے آئے (کچھ عرصہ حکومت آزاد کشمیر کی ملازمت میں رہے پھر برطانیہ چلے گئے اور وہیں کے ہو رہے)۔ محمود ہاشمی نے کشمیر میں اپنے چند ماہ کے مشاہدات اور ان سے اُبھرنے والے تاثرات و احساسات کو ادبی پیرایے میں بیان کیا ہے۔

چار مضامین پر مشتمل یہ رپورتاژ پہلے پہل ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا تھا۔ اب اسے ایک طویل اختتامیے کے اضافے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ دوبارہ (بلکہ سہ بارہ) شائع کیا گیا ہے۔ نصف صدی پرانی یہ کتاب آج بھی اتنی ہی بامعنی اور تروتازہ ہے جتنی ۵۰ سال پہلے تھی، بلکہ کشمیر کی حالیہ تحریک آزادی کے حوالے سے شاید اس کی معنوی اور ادبی قدروقیمت اور زیادہ ہوگئی ہے۔

اردو کے چوٹی کے نقادوں نے محمود ہاشمی کے اس رپورتاژ کی تعریف کی ہے۔ درحقیقت اس رپورتاژ میں مولف نے اپنے مشاہدات اور تاثرات کے ساتھ تاریخ کے نشیب و فراز کو بھی آمیز کیا ہے۔ یہ کشمیر کی باقاعدہ تاریخ نہیں لیکن اس میں کشمیری جدوجہد آزادی کے سارے نشیب و فراز، موڑ اور اہم اور نازک لمحات اور بیشتر کردار آگئے ہیں۔ ۷۵ لاکھ میں جموں و کشمیر کی خریداری، ۱۹۳۰ء میں غلامی اور جبر کے خلاف اہل کشمیر کی پہلی باغیانہ آواز، مہاراجا کے انسانیت سوز مظالم، شیخ عبداللہ کا کردار (طریق کوہ کن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی --- بقول مصنف: "تاریخ کے صفحات میں جہاں کلائیو اور امی چند ملے ہیں، انھیں کوئی نہ کوئی میر جعفر بھی ملا ہے" ص ۳۹۔ یہ تگڈم ماؤنٹ بیٹن، نہرو اور شیخ عبداللہ سے مکمل ہوتی ہے)۔ ہری سنگھ کا سری نگر سے فرار، نیشنل کانفرنس والوں کی لوٹ مار وغیرہ۔ رپورتاژ میں کہیں کہیں چھوٹی موٹی کہانیاں بھی ہیں مگر ان معمولی کہانیوں کے پس پردہ اہم حقائق صاف نظر آ رہے ہیں۔

مصنف نے کشمیری صحافی شمیم احمد شمیم کا یہ دل چسپ تجزیہ نقل کیا ہے: "شیخ عبداللہ ہماری امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز بھی ہیں اور مدفن بھی۔ ان کی ذات سے ہماری تحریک کی صبح بھی عبارت ہے اور شام بھی۔ وہ ایک خوب صورت آغاز اور حسرت ناک انجام کی علامت ہے" (ص ۳۳۸)۔ شیخ عبداللہ نے اپنے بیٹے فاروق عبداللہ کو اپنی مسند پر بٹھایا۔ محمود ہاشمی نے (بھارت اور پاکستان کے سیاسی منظر کے حوالے سے) پتے کی بات کہی ہے کہ برسرِاقتدار والد یا والدہ صرف اپنے بیٹے بیٹی کو ہی اُس منصب کے لائق سمجھتے ہیں جو حالات نے انھیں عطا کیا ہو اور جمہوریت میں ملوکیت کا یہ پیوند سیاست کا اٹوٹ انگ بنتا جا رہا ہے۔ (ص ۳۴۰)

کشمیر اُداس ہے پرمغز، دل چسپ اور قابل مطالعہ کتاب ہے۔ ایک ایسی خوب صورت ادبی تخلیق، جس کے پس پردہ مصنف کی دردمند شخصیت جھلکتی ہے۔ مصنف کا مشاہدہ گہرا اور بصیرت قابل داد ہے۔ ۵۰ سال پہلے محمود ہاشمی نے جو تجزیہ کیا آج بھی وہ صحیح اور برمحل معلوم ہوتا ہے۔ مصنف کے ایک دوست اور ہوم گارڈز میں ان کے ساتھی اپورب نے ایک بار جذباتی انداز میں ان سے پوچھا تھا: "وہ صبح جس کے ہم انتظار میں ہیں، جانے کب ہو؟" اس کا حتمی جواب کون دے سکتا ہے مگر اس میں شبہ نہیں کہ زیرنظر کتاب کی تحریر و تصنیف کے ۵۰ سال بعد آج بھی: "کشمیر اُداس ہے!"۔ (ر-ہ)

© rasailojaraid.com